پروفیسر ڈاکٹر محمد یار گوندل

شعبہ اُردو زبان وادب

سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

اُردو زبان: چند معروضات

Uru language: Some assumptions

Abstract:

Urdu is our national language and is of multifaceted importance in which the national, religious, art and educational status and importance is more prominent. This is also the history of the Muslims of the subcontinent and is also the guardian of civilization and culture. Our cultural heritage is safe in the Urdu language. This civilization and culture, customs, beliefs, faith, creative art, literature and theology preserves it for future generation. Therefore, it is important not only to protect the Urdu language, but also to promote it. An attempt has been made in this article to clarify the need and importance of Urdu language in this regard.

Keywords:

Urdu language, National language, Multifaceted, Religion, Education, Culture, Customs and traditions, Preservation, Publication, Literature

کچھ عرصے سے یہ بحث چل رہی ہے کہ اُردو رومن میں لکھی جائے۔ دوسرا یہ کہ علاقائی زبانوں کی تعلیم لازمی قرار دی جائے اور تیسرا یہ کہ ذریعہ تعلیم انگریزی اختیار کیا جائے۔ اس کے علاوہ جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے بھی اردو بان کے لیے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف عالمی سطح پر انگریزی زبان بھی وسعت اور اہمیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ یہ چند ایسے اُمور ہیں جن کی بنا پر ضروری ہے کہ اُردو زبان کی اہمیت، ضرورت اور حفاظت کے لیے کوشش کی جائے۔ اس مضمون میں اسی حوالے سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو ہماری قومی زبان ہے اور کثیر الجہات اہمیت کی حامل ہے۔ ان جہتوں میں اس کی قومی، دینی، ثقافتی اور تعلیمی حیثیت اور اہمیت زیادہ نمایاں ہے۔ کسی بھی زبان کا فروغ وار تقا اس کی بول چال میں مضمر ہے۔ زبان خیالات کا ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ لفظوں اور فقروں کے توسط سے انسانوں کے ذہنی مفہوم و دلائل اور ان کے عام خیالات کی ترجمانی کرتی

ہے۔ کسی بھی زبان کی ترویج اشاعت اس کے استعمال پر منحصر ہے۔ جو زبان زیادہ زبان زد خواص و عام ہو گی وہ ہی زیادہ پھلے پھولے گی۔ زبان کا ستعمال کم کرنے سے اس کی وسعت میں کمی آتی جائے گی۔ اس کی نمایاں مثال سنسکرت زبان کی ہے۔ اس لیے ارباب اختیار کے لیے لازم ہے کہ وہ فروغ اردو کے راستے میں آنے والے ہر سنگِ گراں کو اکھاڑ پھینکیں تا کہ ملک میں قومی زبان کا فروغ ممکن ہو ہو سکے۔ کسی بھی زبان کی بول چال ہی اس کی غذا اور زندگی کی ضامن ہوتی ہے۔ بقول خلیل صدیقی:

"بول چال اور سوچ بچار یا غور و فکر کی زبان ہی زندہ زبان کہلاتی ہے۔ خواہ اس کے بولنے والے کسی بھی تہذیبی، تمدنی اور علمی و ادبی سطح پر ہوں۔ زندہ زبان کا تعلق خواندگی کی شرح سے نہیں۔ بالکل جاہل لسانی گروہ کی زبان بھی اسی طرح زندہ کہلاتی ہے جس طرح سو فیصد شرح خواندگی رکھنے والے والے گروہ کی۔ وہ بھی ایک "نظام" کی حامل ہوتی ہے۔ ابلاغ کا حق ادا کرتی ہے۔ تغیر و تبدیلی کی منزلیں طے کرتی ہے اور فطری ارتقاء کا سفر جاری جاری رکھتی ہے۔"(1)

مشترکہ قومی زبان معاشرے اور قوم کی شیرازہ بندی کے ساتھ ساتھ علاقائی تعصب کے سم قاتل سے بھی قوم کو نجات دلانے کا موثر ذریعہ ہے۔ جن قوموں کی کوئی مشترکہ قومی زبان نہیں ہوتی وہ قومیں بین الاقوامی سطح پر گوگی متصور ہوتی ہیں۔ دیگر اقوام ایسی قوموں کی تہذیب و ثقافت سے بھی ناآشنا ہوتی ہیں کیونکہ کسی قوم کی زبان ہی اس قوم کی تہذیب و ثقافت کی امین ہوتی ہے۔ بقول غلام ربانی عزیز:

"قوموں کے تشخص میں وطن اور زبان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس قوم کا وطن نہ ہو، اسے خانہ بدوش یا جہاں گرد کہہ لیجیے۔ جس کی زبان نہ ہو، اسے بقول چو این لائی (سابق وزیر اعظم چین) گونگا کہنا چاہیے۔ صدر ایوب خاں مرحوم کے عہد میں ایک دفعہ چو این لائی پاکستان آئے۔ صدر صاحب نے حسب معمول خطبہ استقبالیہ انگریزی میں پیش کیا۔ چو این لائی انگریزی جانتے تھے۔ کسی نے اشارتاً کہا کہ اگر آپ کا جواب انگریزی میں ہوا تو سامعین براہ راست آپ کے خیالات سے مستفید ہو سکیں گے، کہنے لگے "میں کیوں انگریزی میں جواب دوں۔ کیا ہم گونگے ہیں۔""(2)

ماہرین تعلیم کا بھی اس امر پر اتفاق ہے کہ بچے کی تعلیم کا بہترین ذریعہ قومی زبان ہے۔ اردو محض ایک ز زبان ہی نہیں۔ برعظیم کے مسلمانوں کی تاریخ بھی ہے۔ یہ اتنی ہی قدیم ہے جتنی قدیم پاک و ہند کی سرزمین پر مسلمانوں کی آمد ہے۔ اردو کی قدیم ترین تحریریں اور رسالے مذہبی موضوعات پر ہیں۔ یوں مذہبی علوم کی حفاظت کا بیڑا اردو زبان نے اٹھایا ہے۔ مذہبی حوالے سے دیکھا جائے تو سیدھے ہاتھ میں برکت ہے اور اردو

سیدھے ہاتھ سے لکھی جاتی ہے۔اس کا رسم الخط اور املا قرآن مجید سے مماثل ہے۔اس کی رگوں میں ایران و عرب کا خون رواں دواں ہے۔ یہ برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہے۔قرآن مجید کی ان گنت تفسیر یں اور احادیث کے لاتعداد مجموعے اردو زبان میں لکھے گئے ہیں۔ تاریخ اسلام اور برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ اردو زبان میں موجود ہے۔ گویا اردو زبان تعلیمات اسلامی کا مخزن و منبع ہے اور اس سے روگردانی گویا تعلیمات اسلامی سے روگردانی ہوگی۔

اس وقت اسلامی لٹریچر، قرآن مجید، حدیث، فقہ، کلام، سیرت، تاریخ وغیرہ کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ اردو زبان میں جمع ہو چکا ہے کہ عالمی سطح پر عربی کے بعد اردو دوسرے نمبر پر ہے۔اسی حوالے سے غلام احمد اپنے مضمون ''اردو زبان کی عظمت اور دینی اہمیت'' میں لکھتے ہیں:

"اسی لیے اگر پاکستان کا تحفظ، اس کا دفاع اور اس کا فروغ عام مسلمان اور ارباب اقتدار کا ایک دینی فریضہ قرار دیا جاسکتا ہے تو اردو زبان کا تحفظ اور اس کا فروغ بھی ہر پاکستانی مسلمان کا ایک دینی فریضہ ہی قرار پاتا ہے۔"(3)

حقیقت یہ ہے کہ اردو کا تحفظ اور فروغ، دینِ اسلام کا تحفظ اور فروغ ہے اور اردو سے بے اعتنائی دین سے بے اعتنائی ہوگی۔ اگر اردو کا چلن بحیثیت قومی زبان کم ہوتا جائے گا تو ہماری نئی نسل تاریخ اسلام اور دینی تعلیمات سے بیگانہ ہوتی جائے گی۔یوں تحفظ اردو ایک دینی فریضہ بن جاتا ہے۔بقول مولانا اشرف تھانوی:

"خدانخواستہ اگر اردو زبان ضائع ہوگئی تو مسلمانوں کا تمام اسلامی ذخیرہ ضائع ہو جائے گا۔ چونکہ تمام دینی کتابیں جو کہ فارسی اور عربی میں تھیں، اب ان کا ترجمہ اردو میں ہو گیا ہے، لہذا اگر یہ زبان ضائع ہوگئی تو مسلمان، بالخصوص عوام کے لیے حصول علم دین کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے گا تو کیا مسلمان اس بات کو گوارا کر سکتا ہے کہ یہ ذخیرہ ضائع ہو جائے؟ پس نتیجہ نکلا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت، دین کی حفاظت ہے۔اس لیے یہ حفاظت حسب استطاعت واجب ہوتی ہے اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ ہوگا۔"(4)

بلاشبہ ہماری قومی زبان اردو کو یہ فخر حاصل ہے کہ عربی اور فارسی کے بعد اسلامی فنون وعلوم، تاریخ و ثقافت، روایات، سیرت اور منقولات کا سب سے قیمتی خزانہ صرف اردو زبان میں پایا جاتا ہے۔ پاکستانی ثقافت اور قومی زبان اردو میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔اردو ہماری ثقافت کی امین ہے۔اس میں عربی اور فارسی کی اسلامی ثقافت کے اثرات بدرجہ اتم موجود ہیں۔اس کے علاوہ برصغیر میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اردو کے شعر و ادب میں

پنہاں ہے۔ ہندو، ہندی کو اس لیے رائج کروانے کے لیے کوشاں تھے کہ اردو کے چلن کو ختم کر کے برصغیر کے مسلمانوں کے کلچر کو مٹادیا جائے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

"اردو زبان (اسلامی) اس کلچر کی سب سے بڑی مظہر تھی۔ اسی لیے تو ہندوؤں نے اس کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کی جگہ ہندی کو عام کرنے کی کوشش کی۔ اسی لیے تو قائداعظم اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے گاندھی جی سے لڑائی مول لی اور ہندی اردو کی یہ جنگ تقریباً نصف صدی تک جاری رہی۔ گاندھی جی بالآخر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہم اردو کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ یہ قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔"(5)

زبان اور تہذیب ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتی ہیں۔ ہمارا تہذیبی ورثہ اردو زبان میں محفوظ ہے۔ قومی زبان کی بدولت ہ مشترکہ تہذیب وتمدن اور ثقافت کی تشکیل ہوتی ہے۔ اگر قومی زبان نہ ہو تو قومی کلچر بھی مٹ جائے گا اور اقوام عالم کی داستانوں میں اس کی داستان تک بھی نہ رہے گی۔ بظاہر زبان انسان کی معاشرتی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک وسیلہ ہے لیکن حقیقت میں یہ معاشرت اور تہذیب وثقافت کی تشکیل کا محرک اور ایک اہم عامل بھی ہے اور یہی بنیاد ہے جس پر معاشرے کی تہذیب اور تعمیر کا عمل جاری رہتا ہے۔ یہ ایک وسیلہ ہے جس کے طفیل انسان باہم ایک دوسرے کے خیالات اور تجربات سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے فکر وعمل میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی ہم آہنگی معاشرے میں تہذیبی و معاشرتی یک جہتی پیدا کر کے ایک مشترک ثقافت کی تشکیل کرتی ہے۔ بقول مولوی عبدالحق:

"زبان اگرچہ مخلوق ہے یعنی انسان کے عمل کا نتیجہ ہے لیکن اس کے ساتھ وہ خالق بھی ہے یعنی وہ خیالات کے پیدا کرنے اور سمجھانے میں مدد دیتی ہے۔ جن کے پاس زبان نہیں ہے ان کے پاس خیال بھی نہیں۔ جن کی زبان محدود ہے ان کے خیالات بھی محدود ہیں۔ اسے معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ ہماری معاشرت اور تمدن کے ہر شعبے کے رگ وپے میں پڑی ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے تمدن وتہذیب کو بچانا اور مضبوط کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی زبان کو بچانا اور مضبوط کرنا لازم ہے۔"(6)

اردو زبان کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ یہ نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کی معاشرت کی عکاس ہے بلکہ اسلامی تہذیب وتمدن کے آثار کو بھی اپنے پہلو میں سمیٹے ہوئے ہے۔ بقول پروفیسر طاہر فاروقی:

"ہر زبان کسی تمدن اور معاشرت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ہماری اردو زبان برعظیم پاک و ہند کی اس مخلوط تہذیب کی عکاس ہے جو عربوں، ایرانیوں، ترکوں اور مقامی باشندوں کے مدت دراز کے میل جول.اور خلط ملط سے وجود میں آئی تھی۔"(7)

اسی ضمن میں اردو زبان کے سچے عاشق اور قتیل مولانا صلاح الدین احمد نے کہا تھا:

"زبان کی حفاظت در حقیقت اپنے تمدن اور اپنی تہذیب کے ان سر چشموں کی حفاظت ہے جس سے ہم انفرادی زندگی میں مسرت حاصل کرتے ہیں اور قومی زندگی میں حرکت اور طاقت اور جب مسرت، حرکت اور طاقت آپ کے پاس ہوں تو دنیا میں آپ کو ترقی اور فروغ سے کون روک سکتا ہے۔"(8)

فرانسیسی مفکر اور ادیب ژاں پال سارتر نے کہا تھا کہ وہ لوگ جو بدیسی زبان کو استعمال کرتے ہیں یا اس میں لکھتے ہیں ان کی حیثیت ہمیشہ کرایہ دار کی سی ہوتی

ہے۔ اردو زبان پاکستانیوں کے مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔ اس کے الفاظ اپنے اندر ایک مخصوص تہذیبی و ثقافتی ورثے کا پس منظر رکھتے ہیں۔ بقول مولوی عبدالحق:

"قومی زبان کی اہمیت اور قوت اثر کو بہت کم لوگوں نے سمجھا ہے۔ اس کا ہر لفظ، ہر جملہ، ہر محاورہ اور روزمرہ کی ہر ہر ترکیب ہماری تہذیب، ہمارے ادب اور ہماری معاشرت کی جڑوں اور ریشوں تک پہنچی ہوئی ہے اور اس کے ایک ایک لفظ کے پیچھے ہماری تاریخ و تہذیب کا ایک بڑا سلسلہ ہے جس کی تہہ میں ہماری زندگی کے نقوش کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کی صد ہا سال کی دماغی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔"(9)

کسی قوم کی زبان اپنے اندر اس قوم کی تہذیب و ثقافت، رسم و رواج، رہن سہن، اس کے اعتقادات اور توہمات، اس کے فنون لطیفہ، ادب، مذہبیات وغیرہ کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ رکھتی ہے۔ اس حوالے سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"ایک قوم کی زبان اور اس کا رسم الخط، اس کی تہذیب اور قومیت کے بقاو فنا میں فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے، کسی قوم کو اگر دوسری قوم میں تبدیل کر دینا چاہیں تو اس کے زبان اور رسم الخط کو بدل دیجیے، رفتہ رفتہ خود بخود دوسرے سانچے میں ڈھلتی چلی جائے گی۔ اس کی آنے والی نسلوں کا تعلق اپنے

اسلاف سے منقطع ہو جائے گا اور وہ بالکل نئی ذہنیت، نئے افکار اور نئی صورت قومی لے کر اٹھیں گی (10)"۔

مولانا مودودی صاحب کے مذکورہ بالا بیان کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے جو دوسری جنگ عظیم میں جاپان کو پیش آیا۔ بقول ڈاکٹر محمد امین:

"دوسری جنگِ عظیم میں شکست کے بعد شہنشاہ جاپان ہیرو ہیٹو نے دستاویزات پر دستخط کرنے سے پہلے امریکی حکام کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ جاپانی جاپان کی قومی و سرکاری زبان رہے گی اور اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی، امریکی حکام نے یہ شرط تسلیم کر لی۔ جاپانی بڑی مشکل زبان ہے مگر جاپانی اسے تبدیل کرنے پر رضا مند نہیں۔ وہ اپنا رسم الخط بھی تبدیل نہیں کرنا چاہتے جو اس زبان کی تحصیل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"(11)

علم ایسی چیز ہے جو انسان اور حیوان میں بنیادی امتیاز کا ضامن ہے۔ تعلیم کے حصول کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ ہمارا قومی علمی، مذہبی اور ثقافتی ورثہ ہماری قومی زبان اردو میں محفوظ ہے۔ تاریخ اسلام، تاریخ پاکستان اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی امین اردو ہے۔ اس حوالے سے یہ ناگزیر ہے کہ ہم اپنے اس ورثہ کو نئی نسل تک منتقل کرنے کے لیے تحصیل علم کا ذریعہ اپنی قومی زبان اردو کو اپنائیں تاکہ نژادِ نو نہ صرف اپنے ورثے سے آگاہ ہو سکے بلکہ اس میں تا بمقدور اضافہ بھی کر سکے۔ یوں روایت کا تسلسل بھی برقرار رہ سکے گا۔ دوسری طرف اگر قومی زبان سے اجنبیت کا احساس بڑھتا جائے گا اور تدریسِ علم قومی زبان کی بجائے انگریزی یا دیگر زبانوں میں ہو گی تو آنے والی نسل اسلام، نظریہ پاکستان اور مسلم کلچر سے بیگانہ ہوتی جائے گی اور نئی نسل ایک ایسے مقام پر کھڑی ہو گی جو ان کے لیے انتہائی ناپائیدار ہو گا۔ زبان ہی تو معاشرت کی مرکزی قوت ہے۔ باقی سبھی معاشرتی دھارے اس کے گرد سرگرم سفر ہیں لیکن ساتھ ہی اپنے مدار سے منسلک بھی ہیں۔

اردو ایسی زبان ہے جو دنیا کی چند بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔ ابھی حال ہی میں ایک سروے میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانی والی بارہ زبانوں میں اُردو زبان بھی شامل ہے۔ برعظیم کی یہ سب سے بڑی زبان ہے۔ یہ ہر علاقے کی مانوس زبان ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس زبان میں اتنی لچک ہے کہ ہر زبان کے الفاظ کو اپنی مرضی کے مطابق اردو میں ڈھال لیتی ہے۔ اسی بنا پر برعظیم کا ہر خطہ یہ سمجھتا ہے کہ اردو کی ابتدا یہیں سے ہوئی تھی۔ قیام پاکستان سے پہلے ہی اردو ہی اردو اپنی اہمیت تسلیم کروا چکی تھی۔ اسی لیے ۱۸۳۷ء

میں انگریز نے بھی فارسی کی جگہ اردو کو ملکی اور سرکاری زبان کا درجہ دیا کیونکہ یہ سب کی زبان تھی، لہذا اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر گستاولی باں نے لکھا ہے کہ:

"محاوروں کے اختلاف کو چھوڑ کر ہندوستان میں سولہ زبانیں ہیں۔ ان میں اردو وہ زبان ہے جس کا سیکھنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ یہ گویا ہندوستان کی ملکی زبان ہے۔ بیشتر خط و کتابت اسی زبان میں ہوتی ہے اور اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں۔"(12)

متعلم کے لیے حصول علم جتنا اپنی قومی زبان میں سہل ہے اتنا اجنبی زبان میں نہیں ہو سکتا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔۔۔ زبان ہی کے توسط سے عوام میں علم پھیلایا جا سکتا ہے اور مختلف قسم کی دریافتوں اور ایجادوں کی اشاعت ہو سکتی ہے۔ چونکہ تعلیم کے بڑے مقاصد تہذیب و تمدن کا ارتقا، علم کی اشاعت اور قومی اتحاد کی تکمیل ہیں، ان سب کا انحصار زبان پر ہے۔ اس لیے زبان اور تعلیم آپس میں ایک گہرے رشتے کے ساتھ منسلک ہیں اور دونوں کی حیثیت لازم و ملزوم ہے۔"(۱۳)

کسی ملک کی زبان اس کے باشندوں کے خیالات اور جذبات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ایک فرد جس طرح اپنی قومی زبان میں اپنے خیالات اور جذبات کا موثر اور بھرپور انداز میں اظہار کر سکتا ہے، ویسا کسی دیگر زبان میں ممکن نہیں۔ یوں قومی زبان فرد کے اندر بلاغتِ خیالات کی نشو و نما بھی کرتی ہے۔ بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی:

"زبان تو وہ چیز ہے جو انسان کے دل کی گہرائیوں میں اتری ہوتی ہے۔ زبان اصل میں خیالات کی صرف آئینہ دار ہی نہیں ہوتی، صرف حامل ہی نہیں ہوتی بلکہ زبان کے بغیر خیالات کا وجود ممکن نہیں ہے۔ کوئی ایسا خیال کہ جس کے لیے کوئی لفظ نہ ہو، دماغ میں نہیں آسکتا۔ کسی غیر زبان کے بولنے میں یہ دقت پیدا ہوتی ہے کہ اسے ایک حد تک سوچ کر بولا جا سکتا ہے، مگر وہ پوری طرح اُن جذبات کے اظہار کی طاقت نہیں رکھتی جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔"(۱۴)

غیر زبان میں تدریسی عمل فرد کو تعلیم یافتہ تو بنا سکتا ہے لیکن تربیت یافتہ نہیں۔ اس عمل سے ایک اچھا روبوٹ تو بن سکتا ہے لیکن ایک اعلیٰ انسان بننا ناممکن ہے۔ قومی زبان معاشرے کے افراد میں تشکیل کردار کے سلسلے میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔ اپنی زبان کو پس پشت ڈال کر ہم اعلی کردار کی تشکیل ہرگز نہیں کر سکتے۔ اس ضمن میں اردو ادب کی مثال دی جا سکتی ہے جس میں شاعری، ناول، افسانہ اور ڈرامہ وغیرہ شامل ہیں۔ حقیقت میں افسانوی ادب افراد کے تشکیل کردار کا سب سے موثر ذریعہ ہی تو ہے، لہذا یہ ضروری ہے کہ بھی علوم وفنون کی تدریس کا انتظام

اپنی قومی زبان میں ہو جس سے نہ صرف حصول تعلیم کا مقصد حاصل ہوگا بلکہ معاشرے کے افراد کے کردار کی تشکیل بھی مناسب انداز سے ہو پائے گی اور اجنبی زبانوں کی تدریس کی وساطت سے جو احساسِ کمتری ہمارے ذہنوں میں پیدا ہو گیا ہے، اس سے رہائی مل سکے گی۔

اس بحث سے باآسانی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم اپنی قومی زبان کی ترویج واشاعت اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کریں۔ یہی ایک ترقی کا موثر ذریعہ ہے جس سے ہماری قوم بھی ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ اقوام عالم میں شامل ہو سکتی ہے۔

حواشی

(1) خلیل صدیقی، زبان کیا ہے؟ بیکن بکس، گل گشت، ملتان، بار دوم ۲۰۰۱، ص ۴۳

(2) غلام ربانی عزیز قومی زبان کی اہمیت، مشمولہ منتخبیات اخبار اردو (مرتبہ) ڈاکٹر معین الدین عقیل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، باراول ۱۹۸۸، ص ۱۱۳

(3) غلام محمد، اردو زبان کی عظمت اور دینی اہمیت، مشمولہ منجنیات اخبار اردو (مرتبہ) ڈاکٹر معین الدین عقیل، محولہ بال ۲، ص ۸۵

(4) پروفیسر احمد سعید، اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی، خالد ندیم پبلی کیشنز، راولپنڈی ۱۹۷۲ء ص ۴۵

(5) ڈاکٹر عبادت بریلوی " پاکستانی ثقافت کی شناخت مشمولہ، پاکستانی ادب۔ تنقید (پانچویں جلد) مرتبہ: رشید احمد، فاروق علی، طبع اول فیڈرل سرسید کالج، راولپنڈی ۱۹۸۲ء ص ۱۸۵

(6) مولوی عبدالحق، روئداد، کل ہند اردو کانفرنس، انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۳۹ء ص ۵۲

(7) پروفیسر طاہر فاروقی، ہماری زبان، مباحث ومسائل، مرتبہ ڈاکٹر سرور اکبر آبادی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۲۶ء ص ۹

(8) ڈاکٹر محمود اسیر، مولانا صلاح الدین احمد، احوال وآثار، مجلس ترقی ادب، لاہور ۲۰۰۹ء، ص ۳۸۵

(9) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، زبان اور اردو زبان، حلقہ نیاز و نگار، کراچی ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۵

(10) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تحریک آزادی اور مسلمان، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۶۴، ص ۴۳۷

(11) ڈاکٹر محمد امین، اردو اور ہمارا قومی تشخص، مشمولہ اردو زبان۔ مسائل اور امکانات (مقالات عالمی اردو کانفرنس، ملتان) ۱۹۷۷ء میں، ص ۲۲۱

(12) پروفیسر طاہر فاروقی، ہماری زبان (مرتب) ڈاکٹر سرور اکبر آبادی، محولہ بالا ۷، ص ۲۶

(13) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، تدریس اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۹۸ء، ص ۸۴

(14) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، قومی زبان بحیثیت ذریعہ تعلیم، مشمولہ منتخبیات اخبار اردو (مرتبہ) ڈاکٹر معین الدین عقیل، محولہ بالا ۲ ص ۱۶۱